بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

سیّدعزیزالرحمٰن

تقویمِ اسلامی کا آغاز

ہجری تقویم اسلام کی چند اہم خصوصیات میں سے ایک ہے، اس کا شمار شعائر اسلام میں بھی ہوتا ہے، یہ تقویم عہدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے اہم واقعے کی جانب منسوب ہے، جسے مؤرخین اور اہل سیر ہجرت مدینہ کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

ہجرتِ مدینہ

ہجرت مدینہ، غزوات اور فدائیت کی تاریخ کا ایک اہم سنگ میل ہے، جاں سپاری، سرفروشی اور جاں نثاری کی نہ جانے کس قدر قیمتی داستانیں اس واقعے سے مربوط ہیں، قسامِ ازل نے ہجرت مدینہ کو انگشت شرف عطا فرمائے ہیں، یہ شرف بھی ازل سے اسی کی قسمت میں لکھا تھا کہ آئندہ لیل ونہار کی گردشوں کا شمار بھی اسی سے ہوگا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مکہ مکرمہ سے ہجرت اور مکے سے مسلمانوں کی انتقال آبادی اگرچہ ظاہری طور پر قریش مکہ کی ایذا رسانیوں کے سبب سے تھی، مگر درحقیقت خالق کائنات نے اپنے پسندیدہ دین (۱) دینِ اسلام کی عظمت وشوکت اور شرافت وسیادت کا سکہ بٹھانے اور اس کی ضیاپاش کرنوں سے سارے عالم کو روشن ومنور کرنے کے لئے جو وقت متعین کیا تھا، اس کا آغاز اسی ہجرتِ مدینہ سے ہوا۔

ہجرتِ مدینہ سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اسلام اپنی دیگر خصوصیات کے علاوہ ایک مکمل سیاسی نظام

بھی رکھتا ہے۔ جو اسلامی ریاست وسلطنت کی بنیاد ہے، نیز اس کی تعلیمات دیگر مذاہب اور دنیا میں مروج نظاموں کی طرح محض زبانی، بیانی یا کاغذی وکتابی نہیں، بلکہ ہر طرح سے قابل قبول، ہر اعتبار سے قابل عمل اور ہر لحاظ سے نافذ کئے جانے کے لائق اور مناسب ہیں۔

جبکہ ہجرت سے قبل مسلمان مکے میں کمزور حالت میں تھے، انہیں نہ مذہبی آزادی حاصل تھی، نہ ان کے پاس سیاسی اقتدار موجود تھا، اور نہ ہی معاشی اعتبار سے ان کو بے فکری، اطمینان اور سکون حاصل تھا، ہر طرح کا اختیار اور مکمل اقتدار دشمنوں اور مخالفین کے پاس تھا، نیز دنیا کا کوئی بھی انسانی معاشرہ جن اجزاو لوازمات سے قائم اور آراستہ ہوتا ہے، وہ مکہ معظمہ کے مسلمانوں کے پاس سرے سے موجود ہی نہ تھے، لہٰذا اس امر کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا کہ مسلمان مکے میں رہتے ہوئے کہیں رک کر کسی نئے اور خالص اسلامی معاشرے کی تشکیل کی بابت سوچ بھی سکیں۔

اس کے برعکس مدینہ منورہ میں خالق کائنات نے ایسے اسباب بہم کردیئے تھے جو اس کام کے لئے ضروری اور مناسب تھے، مدینہ منورہ میں جو لوگ ابتدا میں مسلمان ہوئے وہ ان قبائل سے تعلق رکھتے تھے جن کے پاس اس ریاست کی زمام کار پہلے ہی سے موجود تھی، اور ان پر کسی دوسرے کا کوئی تسلط نہ تھا، اس لئے ہجرت مدینہ کے بعد مسلمانوں کو بھرپور انداز میں یہ موقع ملا کہ وہ ایک نئے معاشرے کی تشکیل کریں جس کی بنیاد خالص اسلامی اصولوں پر استوار ہو اور جو زندگی کے تمام مراحل میں دورِ جاہلیت سے یکسر مختلف اور ہر لحاظ سے منفرد و ممتاز ہو، اور اس عالمگیر دعوت کا نمائندہ ہو جس کی خاطر مسلمان گزشتہ ۱۳ سال سے مخالفین اسلام اور دشمنانِ دین کی مختلف الجہت اور مختلف النوع سازشیں، مصیبتیں اور مشقتیں برداشت کرتے چلے آرہے تھے، یہ تھا تقویم اسلامی کے ہجرت مدینہ سے آغاز کا تاریخی پس منظر، اگر دیکھا جائے تو اسلامی تقویم کے آغاز کے لئے اس سے بڑھ کر کوئی اور مناسب واقعہ یا موقع ہو ہی نہیں سکتا تھا۔

تقویمِ اسلامی کی اہمیت

آگے بڑھنے سے قبل مناسب ہے کہ اسلامی تقویم کی اہمیت کا بھی مختصر جائزہ لیا جائے۔ تقویم اسلامی کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس معاملے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کافی غور و خوض سے کام لیا۔(۲) اور جیسا کہ روایات کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس معاملے کا فیصلہ حضرات

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے طویل مشاورت کے بعد کیا گیا، اور اس طرز عمل کا مظاہرہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ خاص ان معاملات میں فرماتے تھے جو مہتم بالشان اور ان کی نظر میں نہایت اہمیت کے حامل ہوتے تھے، ویسے بھی کسی قوم کی تقویم ان کی پہچان ہوا کرتی ہے اور سنہ ہر قوم کے تعارف کے لئے سرورق کی حیثیت رکھتا ہے، اسی اعتبار سے روز اول ہی سے اسلامی ہجری تقویم بھی مسلمانوں کے شعار کی حیثیت رکھتی ہے، مولانا ابوالکلام آزادؒ لکھتے ہیں:

> قومی زندگی کے مقدمات میں سے ایک نہایت اہم چیز سنہ اور تاریخ ہے، جو قوم اپنا سنہ نہیں رکھتی وہ گویا اپنی بنیاد کی ایک اینٹ نہیں رکھتی، قوم کا سنہ اس کی پیدائش اور ظہور کی تاریخ ہوتا ہے، یہ اس کی قومی زندگی کی روایات قائم رکھتا اور صفحۂ عالم پر اس کے اقبال وعروج کا عنوان ثبت کر دیتا ہے، یہ قومی زندگی کے ظہور وعروج کی ایک جاری وقائم یادگار ہے، ہر طرح کی یادگاریں مٹ سکتی ہیں، لیکن یہ نہیں مٹ سکتی، کیونکہ سورج کے طلوع وغروب اور چاند کی غیر متغیر گردش سے اس کا دامن بندھ جاتا ہے، اور دنیا کی عمر کے ساتھ ساتھ اس کی عمر بھی بڑھتی رہتی ہے۔ (۳)

عربوں میں تقویم کا رواج

عربوں میں چونکہ لکھنے پڑھنے کا زیادہ رواج نہ تھا، اس لئے تقویم اور ماہ وسال کے حساب کا بھی کوئی خاص طریقہ مقرر نہ تھا، نہ ان کا کوئی خاص سنہ تھا، اس لئے اگر کوئی بات بیان کرنی ہوتی تو کسی اہم واقعے سے ماہ وسال کا حساب کر لیا کرتے تھے۔

چنانچہ ابن الجوزی، عامر الشعبی کے طریق سے روایت کرتے ہیں کہ جب روئے زمین پر آدم علیہ السلام کی اولاد کی تعداد زیادہ ہوگئی، اور وہ اطراف واکناف میں پھیل گئے، تو انہوں نے ہبوط آدم (۴) سے تاریخ شمار کی، یہ سلسلہ طوفان نوح تک جاری رہا، وہاں سے نار خلیل (۵) تک تاریخ کا حساب کرتے رہے، پھر یوسف علیہ السلام کے واقعے سے تاریخ کا حساب کیا گیا، وہاں سے بنی اسرائیل کے مصر سے نکلنے کے واقعے سے تاریخ شمار ہوئی، پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے کو بنیاد بنایا گیا۔ (۶)

واقدی کا قول یہ ہے کہ تاریخ کا شمار پہلے حضرت آدم علیہ السلام سے طوفان نوح تک تھا، پھر نار خلیل تک، وہاں سے بنو اسماعیل نے تعمیر کعبہ سے تاریخ شمار کی، وہاں سے معد بن عدنان کے زمانے تک،

پھر وہاں سے کعب بن لوی کے عہد تک، اور وہاں سے عام الفیل تک تاریخ شمار کی گئی۔(۷)

نیز حمیر والے اپنے بادشاہ تبع کے عہد سے تاریخ کا حساب کرتے تھے، غسان والے سد مآرب کے پھٹنے سے اور صنعا والے یمن پر حبشیوں کی فتح سے اور بعد ازاں ایرانیوں کے غلبے سے، بعد میں عرب اپنی لڑائیوں سے حساب تاریخ رکھا کرتے تھے، مثلاً بسوس، داحس اور غبرا کی لڑائی سے، اور ذی قار اور حرب فجار جیسے معرکوں سے۔(۸)

آمد اسلام کے بعد مسلمانوں کا بھی یہی طرز عمل رہا، اور اب سورتوں کے نزول کی نسبت سے واقعات یاد رکھے جانے لگے، ہجرت کے بعد جب کافروں سے قتال کی اجازت ملی اور سورۂ حج نازل ہوئی تو کچھ عرصے تک یہ واقعہ بطور سن استعمال ہوا، پھر جب سورۂ براۃ کا نزول ہوا تو سنہ براۃ چل پڑا، آخر میں سنۃ الوداع مشہور رہا، جو حجۃ الوداع کے بعد رائج ہوا۔(۹)

یہ بھی کہا گیا ہے کہ سن ہجرت کے آغاز سے قبل لوگ ہر سال کو اس واقعے کا نام دیتے تھے جو اس میں وقوع پذیر ہوتا تھا، اور اسی سے تاریخ بتاتے تھے، چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ میں قیام کا پہلا سال الاذن بالرحیل۔(۱۰) کا سال کہلاتا تھا، دوسرا سال الامر بالقتال (۱۱) کا اور تیسرا التمحیص (۱۲) کا۔(۱۳) التمحیص،

یہی وجہ ہے کہ اس دور کی تواریخ گڈمڈ ہیں، اور انبیاء کرام اور دیگر تاریخی واقعات کے بارے میں کافی اختلاف تاریخ پایا جاتا ہے۔

اسلامی تقویم کی ضرورت

اسلامی تقویم کی ضرورت کب، کیسے اور کیوں پیش آئی؟ کس مرحلے پر مسلمانوں کو احساس ہوا کہ اس معاملے کو فوری طور پر حل کرنا ضروری ہے؟ اس بارے میں کئی ایک روایات ملتی ہیں، جن کا ذیل میں علیحدہ علیحدہ تذکرہ کیا جاتا ہے۔

پہلی روایت

حاکم نے ”اکلیل“ میں ابن شہاب زہری سے روایت نقل کی ہے، وہ کہتے ہیں:

لما قدم النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم المدینة امر بالتاریخ فکتب فی ربیع الاوّل ۔ (۱۴)

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے تاریخ لکھنے کا حکم دیا، سو ربیع الاوّل سے اس کا آغاز ہوا۔

یہی روایت ابوجعفر بن نحاس نے اپنی کتاب صناعۃ الکتاب میں بھی ذکر کی ہے۔ (۱۵) اور قلقشندی نے بھی ابن شہاب زہری ہی سے یہ روایت نقل کی ہے۔ (۱۶) لیکن حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو معضل (۱۷) قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ مشہور قول اس کے خلاف ہے۔ (۱۸)

لیکن حاکم کے برعکس یہی روایت یعقوب بن سفیان نے ان الفاظ سے نقل کی ہے۔

التاریخ من یوم قدم النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم المدینة مهاجراً۔ (۱۹)

اسلامی تاریخ کا آغاز اس روز سے ہوا جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرماتے ہوئے مدینہ منورہ تشریف لائے تھے۔

ابن عساکر نے بھی اسی کو درست قرار دیا ہے، اور زیادہ صحیح بات بھی یہی ہے کہ تقویم اسلامی کا آغاز حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے حکم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے مشورے سے ہوا۔ (۲۰)

البتہ آغاز کے لئے ہجرتِ مدینہ کے اہم واقعے کو بنیاد بنایا گیا، جیسا کہ تفصیل آگے بیان ہو رہی ہے۔

دوسری روایت

دوسری روایت ابوطاہر بن محمش الزیادی نے ''تاریخ الشروط'' میں ذکر کی ہے، اور اسے علامہ جلال الدین سیوطی نے بھی نقل کیا ہے۔ روایت یہ ہے،

ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم أرخ بالهجرة حین کتب الکتاب لنصاری نجران، و امر علیاان یکتب فیه حین کتب عنه ۔ (۲۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے اسلامی تاریخ کا ہجرتِ مدینہ سے آغاز کیا، جب آپ ﷺ نے نجران کے نصاریٰ کو خط ارسال کیا، اور حضرت علیؓ کو اس خط پر تاریخ ڈالنے کا حکم دیا۔

تیسری روایت

امام احمد نے سندِ صحیح کے ساتھ یہ روایت نقل کی ہے۔

اوّل من ارخ التاریخ یعلی بن امیہ حیث کان بالیمن۔ (۲۲)

سب سے پہلے (ہجری تاریخ) کا آغاز یعلیٰ بن امیہ نے کیا، جب وہ یمن میں تھے۔

چوتھی روایت

اس روایت میں ذکر ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے جب وہ یمن کے گورنر تھے، اپنے ایک خط میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی توجہ اس جانب مبذول کرائی تھی، خط کی عبارت یہ تھی۔

انہ تاتینا منک کتب لیس لھا تاریخ۔ (۲۳)

ہمارے پاس آپ کے جو خطوط آتے ہیں، ان پر کوئی تاریخ درج نہیں ہوتی۔

پانچویں روایت

میمون بن مہران کی روایت میں ہے کہ،

رفع لعمر صک، محلہ شعبان، فقال ایّ شعبان، الماضی، او الذی نحن فیہ او الآتی؟ ضعوا الناس شیئا، یعرفونہ من التاریخ (۲۴)۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک چیک لایا گیا، اس پر شعبان تحریر تھا، حضرت عمرؓ نے فرمایا، کونسا شعبان؟ جو گزر چکا ہے؟ جو جاری ہے، یا جو آنے والا ہے، لوگوں کی سہولت کے لئے کوئی نظام طے کرو، تاکہ وہ تاریخ کا صحیح علم رکھ سکیں۔

یہ روایت احمد بن حنبل اور ابوعروبہ نے الاوائل میں، بخاری نے الادب المفرد میں اور حاکم نے بھی میمون بن مہران سے نقل کی ہے۔ (۲۵)

چھٹی روایت

اس سلسلے کی ایک روایت ابن ابی خیثمہ کی ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ سے ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص یمن سے آیا، اس نے بتایا کہ میں نے ایک نئی چیز دیکھی ہے، جسے تاریخ کہا جاتا ہے، اس میں یوں لکھتے ہیں، من عام کذا و بشہر کذا ،یعنی فلاں سال اور فلاں مہینہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے پسند فرمایا اور اسلامی تقویم ،تقویم ہجری کا آغاز فرمادیا۔(۲۶)

اس روایت کو ابوداؤد طیالسی نے بھی نقل کیا ہے۔(۲۷)اور سخاوی کے ہاں بھی یہ روایت موجود ہے۔(۲۸)

روایات پر ایک نظر

آگے بڑھنے سے پہلے مناسب ہے کہ ہم ان قدرے مختلف اور ایک دوسرے سے متضاد مفہوم رکھنےوالی روایات پر سند، متن اور درایت کے اعتبار سے ایک نظر ڈالتے چلیں تا کہ درست نتائج تک پہنچنا ہمارے لئے آسان ہو سکے۔

۱۔ پہلی روایت میں یہ ذکر ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آغاز تاریخ کا حکم دیا، اور ربیع الاول سے آغاز ہوا، لیکن اس روایت کو معضل قرار دیا گیا ہے، نیز یہی روایت اس کے برعکس یعقوب بن سفیان نے ان الفاظ میں نقل کی ہے کہ اسلامی تاریخ کا آغاز واقعہ ہجرت سے ہوا، ان الفاظ سے بھی اس روایت کا مفہوم واضح اور متعین اور تعارض ختم ہو جاتا ہے، اس کے علاوہ ابن حجر رحمہ اللہ، اور سخاوی رحمہ اللہ وغیرہ نے بھی یہی لکھا ہے کہ مشہور اور محفوظ (۲۹) روایت یہ ہے کہ تاریخ کا آغاز حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ہوا۔(۳۰) جیسا کہ آگے تفصیل بیان ہو رہی ہے۔

۲۔ دوسری روایت میں یہ ذکر ہے کہ اہل نجران کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خط تحریر کیا تھا، اس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تاریخ تحریر کرنے کا حکم دیا تھا، مگر یہ بات بھی غور طلب ہے، کیونکہ اہل نجران کے نام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خطوط جن کتب میں موجود ہیں، ان میں کہیں بھی تاریخ کا ذکر نہیں ہے، یہ تمام بغیر تاریخ کے ہیں۔(۳۱) نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ۶ خطوط مبارکہ دستیاب ہو گئے ہیں، جن کے عکس متعدد کتب میں شائع ہو چکے ہیں۔(۳۲) یہ تمام خطوط

۵ ہجری کے بعد کے تحریر کردہ ہیں، ان میں بھی کسی میں تاریخ موجود نہیں ہے، اس بارے میں تفصیلی بحث مضمون کے آخر میں آ رہی ہے۔

۳۔ تیسری روایت امام احمد کی ہے، اس میں یعلی بن امیہ کے بارے میں ذکر ہے کہ انہوں نے یمن میں تاریخ اسلامی کا آغاز کیا تھا۔ اگر چہ یہ روایت سند صحیح کے ساتھ روایت کی گئی ہے، مگر اس میں عمرو بن دینار اور یعلی بن امیہ کے مابین انقطاع ہے۔

۴۔ چوتھی، پانچویں اور چھٹی روایات معنی کے اعتبار سے قریب ہیں، ان میں زیادہ فرق نہیں ہے، یہ عین ممکن ہے کہ یہ تمام اسباب اس موقع پر جمع ہو گئے ہوں۔ واللہ اعلم۔

مشورہ کب ہوا؟

اب اہم سوال یہ ہے کہ اسلامی تاریخ کے آغاز کے سلسلے میں یہ مشورہ کب ہوا؟ اس بارے میں تین اقوال ہیں۔ ۱۔ ۱۶ رہجری میں، ۲۔ ۱۷ ہجری میں، ۳۔ ۱۸ ہجری میں (۳۳) جبکہ علامہ شبلی نعمانی رحمہ اللہ علیہ نے ''الفاروق'' میں ۲۱ رہجری کا قول نقل کیا ہے۔ (۳۴) ابوموسیٰ اشعری اور ابن سیرین رحمہما اللہ سے ۱۷ رہجری کا قول نقل کیا گیا ہے۔ (۳۵) اور محمد بن اسحاق نے زہری اور شعبی سے بھی ۱۷ رہجری کا ہی قول نقل کیا ہے۔ (۳۶)

ابن عساکر نے حضرت سعید بن المسیب رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ بار خلافت سنبھالنے کے ڈھائی برس کے بعد محرم میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا فیصلہ کیا۔ (۳۷) اس اعتبار سے بھی ۱۶ رہجری ہی بنتا ہے، کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا آغاز ۱۳ ہجری، جمادی الآخر میں ہوا تھا۔ (۳۸) یعقوبی نے بھی ۱۶ رہجری کا قول اختیار کیا ہے، وہ ۱۶ رہجری کے واقعات میں لکھتا ہے۔

> **وفیها ارخ عمر الکتب، وارادان یکتب التاریخ منذ مولد رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم، ثم قال من المبعث، فاشار علیه علیؓ بن ابی طالب ان یکتبه من الهجرة فکتب من الهجرة۔ (۳۹)**
>
> اسی زمانے (۱۶ رہجری) میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ارادہ کیا کہ ضبط کتابت کے لئے ایک تاریخ قرار دے دی جائے۔ پہلے انہیں خیال ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے شروع کریں، پھر خیال کیا کہ آپ ﷺ کی بعثت مبارکہ سے ابتدا

کی جائے، لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ ہجرت سے آغاز کیا جائے، سو حضرت عمرؓ نے ان کا مشورہ قبول کرتے ہوئے ہجرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے اسلامی تقویم کا آغاز کا فیصلہ فرمادیا۔

نیز ابن سعد نے بھی ۱۶ر ہجری ہی کا قول ذکر کیا ہے، اس کے الفاظ ہیں،

وهو اول من كتب التاريخ في شهر ربيع الاول سنة ست عشرة فكتبه من هجرة النبي صلى الله عليه وسلم من مكة الى المدينة(۴۰)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے ربیع الاوّل ۱۶ر ہجری میں اسلامی تقویم کا آغاز کیا، چنانچہ تاریخ لکھنے کے سلسلے کا آغاز انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مکہ سے مدینہ ہجرت فرمانے کے واقعے سے کیا۔

ان تمام روایات کے تتبع سے بھی یہی بات درست معلوم ہوتی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں ۱۶ر ہجری میں اسلامی ہجری تقویم کا آغاز ہوا۔ واللہ اعلم

تجاویز

بہرکیف جب یہ مسئلہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش ہوا، تو انہوں نے حسب عادت صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم کو جمع کیا اور یہ مسئلہ ان کے سامنے رکھا، اور ان سے اس بارے میں مشورہ طلب کیا، اس مشاورت کے نتیجے میں اسلامی حکومت کے لئے تقویم کے انتخاب کے سلسلے میں بہت سی تجاویز آئیں، مثلاً یہ خیال ظاہر کیا گیا کہ تاریخ روم لے لی جائے۔ مگر وہ عہد ذوالقرنین سے آغاز کیا کرتے تھے، اور اس میں طوالت بہت تھی، اس لئے اس تجویز کو ترک کردیا گیا، پھر یہ تجویز سامنے آئی کہ اس بارے میں اہل فارس سے استفادہ کیا جائے، مگر اس میں یہ قباحت تھی کہ ہر نیا آنے والا بادشاہ پرانی تقویم ختم کر کے نئے سال کا آغاز کیا کرتا تھا، اس لئے اسے بھی ترک کردیا گیا (۴۱) اس موقع پر مشاورت جاری رہی اور مزید یہ تجاویز سامنے آئیں۔

۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے تقویم اسلامی کا آغاز کیا جائے۔

۲۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت مبارکہ کے اس عظیم واقعے سے تقویم کا آغاز کیا جائے، جب آپ

ﷺ کو رسالت ونبوت سے سرفراز کیا گیا۔

۳۔ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ ہجرت کے تاریخی موقع کو تقویم کے آغاز کی بنیاد قرار دیا جائے۔

۴۔ معرکہ بدر کو جسے ''یوم الفرقان'' بھی کہا جاتا ہے، اس تقویم کی بنیاد بنایا جائے۔

۵۔ فتح مکہ کے عظیم الشان واقعے سے اس تقویم کو شروع کیا جائے۔

۶۔ حجۃ الوداع کے تاریخی واقعے سے جب مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے تکمیل دین واتمام نعمت (۴۲) کی عظیم بشارت ملی، اسلامی تقویم کا اجرا کیا جائے۔

۷۔ خاتم النبیین علیہ الصلاۃ والتسلیم کے اس دنیا سے رحلت فرما جانے کے واقعے کو اسلامی تقویم کا نکتۂ آغاز قرار دیا جائے۔(۴۳)

ہرمزان سے مشورہ

اس موقع پر مشورے کے لئے ہرمزان کو بھی بلایا گیا، وہ ایرانی شہنشاہ کی جانب سے خوزستان (۴۴) کے گورنر تھے، اور مسلمان ہونے کے بعد مدینہ منورہ میں مقیم تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان سے اہم معاملات میں مشاورت کیا کرتے تھے، انہوں نے بتایا کہ ہمارے ہاں ایک حساب موجود ہے جسے ماہ روز کہتے ہیں، اسی کو عربی میں مؤرخہ بنایا گیا اور تاریخ کو اس کا مصدر قرار دیا گیا۔(۴۵) لیکن بعض دوسرے حضرات کا کہنا ہے، جن میں اہل لغت کی ایک بڑی جماعت شامل ہے کہ یہ لفظ عربی الاصل ہے، اور ''الارخ'' سے مشتق ہے، اور یہ بقرۂ وحشیہ کے بچے (نر) کو کہا جاتا ہے۔(۴۶) اس کی جمع ''آراخ'' اور ''اراخ'' آتی ہے۔(۴۷) ابومنصور جوالیقی کے بقول ''الارخ'' وقت کو کہتے ہیں اور التاریخ، توقیت کو (۴۸)

فیصلہ کس کی رائے سے ہوا؟

ان تجاویز اور طویل مشاورت کے بعد بالآخر یہ فیصلہ ہوا کہ ہجرتِ مدینہ سے اسلامی تقویم کا آغاز کیا جائے، اس بارے میں روایات مختلف ہیں کہ کس کی رائے سے ہجرت سے آغاز تقویم کا فیصلہ ہوا؟ امام محمد بن یوسف الصالحی الشامی لکھتے ہیں کہ جن امکانی صورتوں پر اتفاق ہوا اور جن سے آغاز تقویم ہوسکتی تھی وہ چار تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے، ۲/ بعثت مبارکہ سے، ۳۔ ہجرت سے،

۴۔وفات سے،ان میں سے ولادت اور بعثت کے وقت کے بارے میں اس قدر اختلاف تھا کہ ان کا سال متعین نہیں ہوسکتا تھا،اس لئے انہیں چھوڑ دیا گیا،وفات سے اس لئے آغاز تقویم نہیں کیا گیا کہ وہ واقعہ رنج والم اور افسوس و صدمے کا باعث تھا، پھر باقی ہجرتِ مدینہ ہی رہتی تھی، چنانچہ اس سے آغاز کر دیا گیا۔(۴۹)

اور حاکم نے سعید بن المسیب کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرامؓ کو جمع کیا اور ان سے مشورہ کیا کہ تاریخ کا آغاز کس واقعے سے کیا جائے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

من یوم هاجر النبی صلی اللّٰه علیه وسلم و ترک ارض الشرک۔(۵۰)

اس روز سے آغاز کریں جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت فرمائی تھی اور سرزمین شرک (مکہ مکرمہ) کو چھوڑا تھا۔

چنانچہ حضرت عمرؓ نے یہ تجویز قبول کرلی۔(۵۱) ابن عساکر نے بھی سعید بن المسیب سے اسی طرح نقل کیا ہے۔(۵۲) اور مقریزی نے بھی حضرت سعید بن المسیبؒ کے حوالے سے یہی ذکر کیا ہے،وہ لکھتا ہے۔

جمع عمر الناس فساء لهم من ای یوم یکتب التاریخ؟ فقال علیؓ بن ابی طالب من یوم هاجر رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم وترک مکه، ففعله عمر رضی اللّٰه عنه۔ (۵۳)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرامؓ کو جمع کیا اور ان سے مشورہ کیا کہ کس روز سے اسلامی تاریخ کا آغاز کیا جائے؟ پس حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس روز سے جس روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت فرمائی تھی، اور مکہ کو چھوڑا تھا، سو حضرت عمرؓ نے اسی طرح کیا۔

یعقوبی نے بھی یہی بیان کیا ہے کہ یہ تجویز حضرت علی رضی اللہ عنہ کی پیش فرمودہ تھی، جیسا کہ سطور بالا میں ان کا قول نقل ہو چکا ہے۔(۵۴)

جبکہ ابونعیم نے شعبی کے طریق سے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کی ہے کہ یہ تجویز خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تھی، اور ان کا استدلال یہ تھا کہ چونکہ ہجرتِ مدینہ حق و باطل کے مابین فرق کرنے کا سبب بنی ہے، اس لئے اسی کو تقویم اسلامی کے آغاز کی بنیاد بنایا جائے۔(۵۵) اور ایک قول میں یہ تجویز ہرمزان کی طرف منسوب کی گئی ہے۔(۵۶) لیکن عام طور پر حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کا نام ہی آیا ہے، ان میں بھی زیادہ تر روایات حضرت علیؓ ہی کے بارے میں ہیں، اس لئے اس تجویز کی نسبت ان ہی کی جانب درست معلوم ہوتی ہے اور حضرت عمرؓ کی جانب اس تجویز کو اس لئے منسوب کر دیا گیا کہ انہوں نے حضرت علیؓ کی تجویز کی تائید کی تھی، اور اس پر عمل درآمد بھی ان ہی کے حکم سے ہوا۔ واللہ اعلم،

محرم سے سال کا آغاز

پھر یہ مسئلہ درپیش ہوا کہ ہجرت ربیع الاوّل میں ہوئی تھی اور عربوں کے رواج کے مطابق ان کے سال کا آغاز محرم سے ہوا کرتا تھا، اس لئے علامہ شبلی کی رائے کے مطابق تقریباً سوا دو مہینے پیچھے ہٹتے ہوئے محرم الحرام سے سن ہجری کا آغاز کر لیا گیا۔(۵۷) دوسری رائے اس مسئلے میں یہ ہے کہ ہجرت کے ارادے اور اس سفر کی منصوبہ بندی کی ابتدا محرم ہی سے ہوئی تھی، کیونکہ بیعتِ عقبیٰ ذی الحجہ کے وسط میں ہوئی تھی (۵۸) اور یہی بیعت ہجرتِ مدینہ کی تمہید اور اس کا نکتہ آغاز تھی اور اس کے بعد پہلا مہینہ محرم ہی تھا۔(۵۹)

اور ابونعیم کی روایت میں ابوموسیٰؓ سے مروی ہے کہ پھر یہ تجویز پیش ہوئی کہ رمضان سے آغاز ہو یا محرم سے، پھر محرم کو اس لئے قبول کر لیا گیا کہ فریضۂ حج کی ادائیگی کے بعد حجاج کی واپسی اسی مہینے میں ہوتی تھی۔(۶۰) جبکہ ابن سیرین سے ابن ابی خیثمہ نے نقل کیا ہے کہ بعض نے رجب سے آغاز کی تجویز دی، بعض نے رمضان سے اور بعض نے محرم سے آغاز کی تجویز دی، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا،

> **ارخوامن المحرم، فانه شهر حرام، و هواول السنة، و منصرف الناس من الحج۔ (۶۱)**
>
> محرم سے تاریخ کا آغاز کرو، کیونکہ یہ مہینہ شہر حرام میں سے ہے، اور (عرب رواج کے مطابق بھی) یہ سال کا پہلا مہینہ ہے، اور حج سے لوگوں کی واپسی بھی اسی مہینے میں ہوتی

ہے۔

علامہ سلیمان منصور پوریؒ نے بھی اس تجویز کو حضرت عثمانؓ کی ہی جانب منسوب کیا ہے۔(۶۲)

اور عبید بن عمیر رحمہ اللہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ،

ان المحرم شهر الله وهو راس السنة، يكسى البيت، و يؤرخ به الناس۔ (۶۳)

بلا شبہ محرم اللہ کا مہینہ ہے، اس سے سال کا آغاز ہوتا ہے، اور بیت اللہ کا غلاف تبدیل کیا جاتا ہے، اور اسی سے لوگ تاریخ کا حساب رکھتے ہیں۔

جبکہ سعید بن منصور نے سنن میں اور بیہقی نے شعب الایمان میں سورۃ الفجر کی تفسیر میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں۔

هو فجر المحرم، فجر السنة۔ (۶۴)

والفجر میں فجر سے مراد محرم کی ''فجر'' ہے، جس سے سال کا آغاز ہوتا ہے۔

اور حضرت قتادہؓ سے بھی یہی منقول ہے وہ فرماتے ہیں۔

هو اول فجر المحرم، ينفجر منه السنة۔ (۶۵)

والفجر سے مراد محرم کی فجر ہے، جس سے نیا سال پھوٹتا ہے۔(اس کا آغاز ہوتا ہے)۔

جبکہ سہیلی نے ایک نئی رائے پیش کی ہے، ان کا کہنا ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے ہجرت نبوی علی صاحبہا الصلاۃ والسلام کو اسلامی تقویم کا نکتہ آغاز قرار دینے کے لئے اس قرآنی حکم کو بھی پیش نظر رکھا ہے جو اہل قبا کی شان میں وارد ہوا ہے، فرمان باری تعالیٰ ہے،

لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ (۶۶)

البتہ وہ مسجد جس کی بنیاد روز اول سے ہی تقوے پر رکھی گئی ہے، اس لائق ہے کہ آپ اس میں (نماز کی غرض سے) کھڑے ہوں۔

کیونکہ یہ بات تو معلوم ہے کہ اس آیت میں ''اول یوم'' سے مطلق یوم مراد نہیں ہے، اس سے یہ متعین ہوگیا کہ یہ کسی مضمر شئی کی طرف مضاف ہے اور وہ اول روز وہی ہوسکتا ہے جب اسلام کو عزت ملی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے امن و اطمینان کی حالت میں اپنے پروردگار کی عبادت کی، اور اس کی ابتدا

بنائے مسجد سے ہی ہوئی تھی، اس امر سے صحابہ کرام کی رائے اس روز سے تاریخ اسلامی کے آغاز کرنے میں موافق ہوگئی، اور ہم نے صحابہ کرامؓ کی رائے سے یہ سمجھا کہ اول یوم سے یہاں اسلامی تاریخ کا روز اول مراد ہے۔(۶۷) لیکن ابن حجر کے بقول اس سے متبادر یہی معنی ہیں کہ ''اول یوم'' سے مراد مدینہ منورہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے داخلے کا روز اول ہے۔(۶۸) البتہ زرقانی نے ابن منیر کے حوالے سے سہیلی کی توضیح کو تکلف وتعسف قرار دیا ہے۔(۶۹)

نتیجہ گفتگو یہ ہے کہ چونکہ عام طور پر عربوں کے ہاں بھی سال کا آغاز محرم الحرام سے ہوتا تھا، اس لئے اسلامی تقویم کے لئے بھی اسی کو اختیار کرلیا گیا، اور یہ مشورہ حضرت عثمان یا حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے دیا۔ اگرچہ اس کی توجیہات اور بھی ہیں، جیسا کہ بیان ہوا۔

تقویم اسلامی کے نفاذ میں تاخیر کی وجوہ

تقویم اور کیلنڈر کی عام انسانی ضرورت کے پیش نظر چاہئے تو یہ تھا کہ اسلامی تقویم کا آغاز اس وقت ہو جاتا جب مدینہ منورہ میں پہلی اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی گئی تھی، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں تو اور دوسری نوعیت کی مصروفیات ہی اس قدر رہیں کہ اس جانب توجہ ہی نہیں دی جا سکی، اور پھر چونکہ اس وقت اسلامی سلطنت کا بالکل آغاز ہو رہا تھا، اس لئے غالباً ایسی فوری کوئی ضرورت بھی سامنے نہیں آئی جو مسلمانوں کو اس مسئلے پر غور وفکر پر آمادہ کرتی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا عہد مبارک آیا یہ دور مدت میں کم ہونے کے ساتھ ساتھ لاتعداد اندرونی سازشوں اور بیرونی شورشوں میں گھرا ہوا تھا، جن سے عہدا برا ہونا صدیق اکبرؓ ہی کا کام تھا، وہ ان کی جانب متوجہ رہے اور تقویم اسلامی کا اہم کام فوری ضرورت نہ ہونے کے سبب ان کی ترجیحات میں نہ آ سکا۔

پھر جب خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا دور مبارک آیا تو اس وقت ایک تو سابق تمام رکاوٹیں بھی دور ہو چکی تھیں، دوسرے روز بروز وسیع ہوتی ہوئی سلطنت کے ساتھ حکومتی اور انتظامی امور بھی وسعت اختیار کر رہے تھے، اور ہر شعبے میں اصلاحات، ترقیاتی کام اور تعمیراتی سرگرمیاں عروج پر تھیں، اس بنا پر ایک تقویم کی ضرورت محسوس کی گئی، اور اس طرح عہد عمر فاروقؓ میں تقویم اسلامی کا آغاز

ہوا، اور یہ افضلیت وشرف بھی ان ہی کے حصے میں آیا۔(۷۰) جیسا کہ ایک روایت میں بھی آتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرامؓ کو جمع کرکے فرمایا کہ مال بہت زیادہ ہونے لگا ہے اور ہماری تقسیم کا کوئی وقت مقرر نہیں ہے، آخر اس کو ٹھیک ٹھیک، یاد رکھنے کی کیا تدبیر کی جائے۔(۷۱) اس کے بعد یہ مشورہ ہوا۔

تقویمِ اسلامی کی خصوصیات

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آخر میں اسلامی ہجری قمری تقویم کا دیگر تقویموں سے تقابل کرتے ہوئے اس کے امتیازات اور خصوصیات کا جائزہ لیا جائے، یہ خصوصیات ذیل میں بیان کی جاتی ہیں۔

الف۔ اسلامی تقویم کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ آغاز سے اب تک یہ اپنی مجوزہ صورت پر قائم ہے، اس میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی، چونکہ یہ شرعی اور دینی تقویم ہے، اس لئے اس میں ترمیم کا حق کسی فرد بشر کو حاصل نہیں، یہ خصوصیت غالبًا دنیا کے کسی دوسری مروجہ تقویم اور سن میں نہیں پائی جاتی۔(۷۲)

ب۔ دوسری خصوصیت یہ ہے کہ متداول ہونے اور استعمال کے لحاظ سے بھی تقویم ہجری دنیا کے اکثر مروجہ سنین سے قدیم ہے، اگرچہ وہ سنین اپنے اعداد کے اعتبار سے ہجری تقویم سے زیادہ پرانے معلوم ہوتے ہیں، مثال کے طور پر ذیل کی صورتوں پر غور کیجئے۔

۱۔ یکم محرم، ۱۔ ہجری مطابق ۱۶/ جولائی ۵۳۳۵ جولین بنتا ہے، اس طرح جولین پیریڈ کا سن بظاہر سن ہجری سے ۵۳۳۴ برس پہلے کا معلوم ہوتا ہے، حالانکہ یہ تقویم حقیقت میں سن ہجری سے ۹۸۹ برس بعد ۱۵۸۲ء میں وضع ہوئی ہے۔

۲۔ یکم محرم ۱/ ہجری کو ۳/ آب ۴۳۸۲ عبری تھا، اس طرح بظاہر یہ سن ہجری سے ۴۳۸۱ برس پہلے کا معلوم ہوتا ہے، حالانکہ یہ ۱۵۸۲ء میں وضع ہوا ہے۔

۳۔ سن کل جگ سن ہجری سے ۳۷۲۳ سال پہلے کا معلوم ہوتا ہے، مگر مغربی مؤرخین اور ہیئت دان تسلیم کرتے ہیں کہ یہ سن چوتھی صدی عیسوی میں وضع کیا گیا تھا، یعنی اپنے حساب سے ۳۴/ صدیاں گزرنے کے بعد اس کا آغاز ہوا تھا۔

۴۔ سن سکندری سن ہجری سے ۹۳۲ سال پہلے کا ہے، مگر اپنی موجودہ ہیئت میں نوزائیدہ ہے، کیونکہ یہ شروع میں کئی صدیوں تک قمری مہینوں پر چلتا رہا ہے، بعد میں اسے شمسی مہینوں میں

تبدیل کر دیا گیا۔

۵۔ سمت بروھشہ کے مطابق یکم محرم ۱ر ہجری کو ۲۶ سال سمت ۶۷۹ تھا، اس لئے بظاہر سمت بروھشہ سن ہجری سے ۶۷۸ سال پہلے کا معلوم ہوتا ہے، مگر ہندو اور مغربی محققین کی تحقیقات کے مطابق اس کا آغاز ۸۹۸ بروھشہ سے ہوا ہے، اس طرح یہ سن ہجری کے ۲۲۵ سال بعد شروع ہوتا ہے۔(۷۳)

ج۔ اسلامی تقویم کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ یہ تقویم کسی خاص شخصیت سے وابستہ نہیں ہے، بلکہ ایک ایسے واقعے سے اس کا تعلق ہے جو پورے مذہب اسلام کے حوالے سے اپنی اہمیت رکھتا ہے، یوں اس کی بنیاد روحانی بھی ہے، یہ خصوصیت رائج الوقت دیگر تقاویم میں نہیں ہے، بیرونی ''الآثار الباقیہ'' میں لکھتا ہے،

> قوموں کا طریقہ اس بارے میں یہ رہا ہے کہ بانیان حکومت و مذاہب کی پیدائش، بادشاہوں کی تخت نشینی، انبیا کی بعثت، ملکوں کی فتح و تسخیر، سلطنت کے انقلاب و انتقال اور حوادث عظیمہ ارضیہ سے تواریخ سنین کی ابتدا کیا کرتے ہیں۔(۷۴)

چنانچہ ایسے بہت سے سنین جو اس دور میں رائج تھے، یا آج موجود ہیں وہ کسی نہ کسی شخصی واقعے کی طرف منسوب ہیں، مثلاً،

۱۔ بابلی سن بخت نصر اول کی پیدائش کے وقت سے شروع کیا گیا تھا۔

۲۔ یہودی سن کا مصر سے خروج کے واقعے سے آغاز ہوتا ہے۔

۳۔ سن عیسوی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کی طرف منسوب ہے۔

۴۔ رومی سن پہلے پہلے سکندر اعظم کی پیدائش سے اور پھر آگسٹس کی پیدائش سے شروع ہوا تھا۔

۵۔ ہندوستانی سن راجہ بکرما جیت کی پیدائش سے شروع کیا گیا تھا۔

۶۔ ایرانیوں میں بھی جس قدر سن رائج ہوئے ان سب کی ابتدا پیدائش، تخت نشینی اور کسی ایک خاندان سے دوسرے خاندان میں انتقال حکومت کے واقعے سے ہوتی ہے، اور اس رسم کے بانی اور موسس بھی ایرانی ہی ہیں کہ ہر بادشاہ گزشتہ سن منسوخ کر کے اپنی تخت نشینی کا نیا سن جاری کرے اور اسے سن جلوس کہا جائے۔(۷۵)

۷۔ جبکہ عربوں میں لکھنے پڑھنے کا کوئی خاص رواج نہ ہونے کی وجہ سے ان کا خاص سن نہیں تھا،

بلکہ وہ مخصوص واقعات کے اعتبار سے اپنے سالوں کا حساب رکھا کرتے تھے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے قریب کے زمانے میں ابرہہ کا حملہ عرب کا خاص واقعہ تھا، اس کا اعتبار کرتے ہوئے ان کے ہاں عام الفیل رائج تھا۔(۷۶)

د۔ اس ہجری قمری تقویم میں ہفتے کا آغاز جمعۃ المبارک سے ہوتا ہے۔(۷۷)

ھ۔ ہجری تقویم میں شرک، نجوم پرستی یا بت پرستی وغیرہ کا شائبہ تک نہیں ہے، اس کے مہینوں اور دنوں کے ناموں کو کسی دیوی یا دیوتا سے کوئی نسبت نہیں۔(۷۸)

و۔ سابقہ شریعتوں میں بھی دینی مقاصد کے لئے یہی قمری تقویم رائج تھی، بعد میں لوگوں نے اس میں تحریف اور ترمیم کرتے ہوئے اسے قمریہ شمسی یا صرف شمسی تقویم میں بدل ڈالا، لیکن ہجری اسلامی قمری تقویم الحمدللہ ہر طرح کے تغیر وتبدل سے محفوظ ہے۔(۷۹)

ایک غلط فہمی کا ازالہ

تقویم اسلامی کے آغاز کی بحث سمیٹتے ہوئے خلاصہ کلام سے قبل یہاں ایک غلط فہمی کا ازالہ کرنا ضروری ہے، جو ہجری تقویم کے اجرا کے بارے میں بعض حلقوں میں پائی جاتی ہے، سخاوی نے تقویم ہجری کی بحث ذکر کرتے ہوئے نصاریٰ نجران کی روایت ذکر کرنے کے بعد جو سطور بالا میں ''دوسری روایت'' کے عنوان کے تحت ذکر ہو چکی ہے یہ جملہ تحریر کیا ہے:

فان ثبت فیکون عمرؓ متبعالا مبتکرا۔ (۸۰)

اگر یہ بات ثابت ہو جائے کہ تقویم کا آغاز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا تھا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ تقویم ہجری کے سلسلے میں آپ ﷺ کی پیروی کرنے والے ہوں گے، اس کے بانی و موجد نہیں۔

اس سے بعض حضرات کو (۸۱) یہ غلط فہمی ہو گئی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تقویم ہجری کا آغاز نہیں کیا تھا، بلکہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں ہی رائج ہو چکا تھا، حالانکہ قرائین وشواہد کی رو سے یہ بات درست نہیں معلوم ہوتی، کیونکہ دیگر کثیر روایات کی موجودگی میں صرف اہل نجران کی روایت کی بنیاد پر یہ فیصلہ کرنا درست نہیں، جیسا کہ اس روایت کے بارے میں پہلے بھی چند باتیں تحریر کی جا چکی ہیں۔(۸۲) اس بارے میں چند نکات ہمارے پیش نظر رہنے چاہئیں۔

۱۔ اس روایت میں ذکر یہ ہے کہ نصارئ نجران کو جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خط لکھا تو اس میں آپ ﷺ نے تاریخ لکھنے کا حکم دیا تھا، غور طلب بات یہ ہے کہ اہل نجران کے نام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کئی ایک خطوط کتب سیرت، حدیث و تاریخ میں موجود ہیں۔ (۸۳) ان میں کہیں بھی کسی تاریخ کا ذکر نہیں ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق رکھنے والی ہر بات اور ہر چیز کی صحابہ کرامؓ اور بعد کے مسلمانوں نے جس طرح حفاظت کی ہے، اس کے پیش نظر یہ باور کرنا ممکن نہیں کہ انہوں نے اس تاریخ کا ذکر نہیں کیا ہوگا۔

۲۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۶ رہجری اور اس کے بعد مختلف سلاطین کو دعوتی خطوط تحریر فرمائے تھے، ان میں سے ۶ رخطوط اب بھی اپنی اصل حالت میں محفوظ ہیں اور ان کے عکس متعدد کتب میں شائع ہو چکے ہیں۔ (۸۴) ان میں کہیں بھی کوئی تاریخ درج نہیں ہے، حالانکہ نصارئ نجران کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خط ۵ رہجری میں ارسال فرمایا تھا۔ (۸۵) اس اعتبار سے بعد کے تمام خطوط میں تاریخ درج ہونی چاہئے تھی۔

۳۔ اس روایت کو قبول کرنے والوں نے سخاوی کے اوپر ذکر ہونے والے قول کو دلیل بنایا ہے، حالانکہ سخاوی خود اس بارے میں اپنی رائے کو حتمی قرار نہیں دیتے وہ صرف روایت ذکر کرنے کے بعد یہ کہتے ہیں،

فان ثبت فیکون ...... (۸۶)

یعنی "اگر یہ روایت ثابت ہو جائے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا متبع قرار دیا جائے گا"، اور دیگر روایات کو دیکھتے ہوئے یہ بات ثابت نہیں ہے۔

۴۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ اگر یہ معاملہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں طے ہو چکا تھا، تو پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مشاورت کس سلسلے میں کی تھی؟ حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کی مشاورت کے بارے میں روایات اس قدر واضح اور کثرت سے ہیں کہ ان کے مقابلے میں کسی شاذ یا نئی روایت کو ترجیح نہیں دی جا سکتی۔

۵۔ ابن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت ہے،

> نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینے آنے تک وہاں تاریخ کا دستور نہ تھا، چنانچہ وہ آپ ﷺ کی تشریف آوری سے ایک مہینہ، دو مہینے شمار کرنے لگے، اور ان کا یہی چلن رہا، تا آنکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ اور عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے چار

سال بھی یونہی گزرے، اس کے بعد تاریخ وضع کی گئی۔(۸۷)

اس کی روشنی میں بھی نصاریٰ نجران کی روایت مرجوح ٹھہرتی ہے۔

۶۔ امام احمد، بخاری، ابن عساکر، ابن سیرین، حاکم، سعید بن المسیب، ابن حجر رحمہم اللہ تمام کی روایات اور ذاتی آرا (۸۸) سے یہی بات ثابت ہوتی ہے کہ سلسلہ تقویم اسلامی کے موسس اور بانی حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں، ان ہی کے عہد مبارک میں صحابہ کرامؓ کے مشورے سے یہ تقویم وضع کی گئی۔

ان نکات کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ نصاریٰ نجران والی روایت پر اس سلسلے میں اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔

خلاصہ بحث

اوپر کی سطور میں بیان ہونے والی بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اور عہد نبوی ﷺ میں ضرورت نہ ہونے کے سبب اسلامی تقویم کا آغاز نہ ہو سکا، آپ ﷺ کے بعد عہد صدیق اکبرؓ کے مختصر ایام میں بھی گوں ناگوں مشکلات اور مصروفیات کے سبب اس جانب توجہ نہ دی جا سکی، البتہ عہد فاروقِ اعظمؓ میں جب ضرورتیں بڑھیں اور اسلامی ریاست وسیع ہوئی تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی توجہ اس جانب مبذول ہوئی، انہوں نے صحابہ کرامؓ کے مشورے، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے رائے سے ہجرتِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو اسلامی تقویم کا آغاز قرار دے کر اس سے اسلامی سال کا آغاز کیا، پھر چونکہ ہجرتِ مدینہ ربیع الاوّل میں ہوئی تھی اور عربوں کا سال محرم سے شروع ہوتا تھا، اس لئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مشورے سے محرم سے اسلامی سال کا آغاز ہوا، اور یکم محرم الحرام ۱ ہجری مطابق ۱۶/جولائی ۶۲۲ء۔۱۶/جولائی، ۵۳۳۵ جیولین، ۳۰/آب، ۴۳۸۲ عبری، ۲۶ ساون ۶۷۹ سمت کو ہجری تقویم کا نکتہ آغاز قرار دیا گیا (۸۹) جبکہ ہجری تقویم کا با قاعدہ آغاز اور پہلی مرتبہ استعمال عہد فاروقی میں ۳۰/جمادی الاخریٰ، ۱۷/مطابق ۱۲ جولائی ۶۳۸ء کو ہوا۔(۹۰)

واللّٰہ اعلم بصوابہا وعلمہ اکمل و اتم

وصلی اللّٰہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد

وآلہ واصحابہ اجمعین

حواشی وحوالہ جات

۱۔ القرآن/سورۂ مائدہ/آیت ۳

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ؕ

۲۔ اس بارے میں روایات آگے بیان ہو رہی ہیں۔

۳۔ مولانا ابوالکلام آزاد/رسولِ رحمت/ترتیب مولانا غلام رسول مہر/شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور/ص ۲۰۳،

۴۔ ہبوطِ آدم، حضرت آدم علیہ السلام کا زمین پر اترنے کا واقعہ۔

۵۔ نارِ خلیل، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالنے کا واقعہ۔

۶۔ شمس الدین محمد بن عبدالرحمٰن السخاوی/الاعلان بالتوبیخ/اردو ترجمہ ڈاکٹر سید محمد یوسف/مرکزی اردو بورڈ، لاہور، جون ۱۹۶۸ء/ص ۱۷۵،

۷۔ ایضاً

۸۔ الاعلان/ص ۱۷۶،

۹۔ شاہ مصباح الدین شکیل/سیرت احمد مجتبیٰ/پاکستان اسٹیٹ آئل کراچی/۱۹۹۶ء/ج ۲/ص ۵۶۔

۱۰۔ الاذن بالرحیل، مکہ سے ہجرت کی اجازت کا سال۔

۱۱۔ الامر بالقتال کفار سے لڑائی کی اجازت،

۱۲۔ التمحیص، آزمائش کا سال،

۱۳۔ الاعلان/ص ۱۷۴،

۱۴۔ ابوجعفر محمد بن جریر طبری م ۳۱۰ھ/تاریخ الرسل والملوک/بیروت/ج ۲/ص ۳۸۸،

☆ ابن الحجر العسقلانی، م ۸۵۲ھ/فتح الباری/قدیمی کتب خانہ، کراچی/ج ۷/۳۴۱،

☆ محمد بن عبدالباقی الزرقانی/شرح المواھب الدنیہ/دار المعرفہ، بیروت، ۱۹۹۳ء/ج ا/ص ۳۵۲،

☆ محمد بن یوسف الصالحی الشامی/سبل الھدیٰ والرشاد/دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۹۳۰ء/ج ۱۲/ص ۷۳۶،

☆ اس بارے میں شیخ حسین بن محمد بن حسن الدیار بکری نے ،تاریخ الخمیس فی احوال انفس نفیس (مطبع عثمان بن عبدالرزاق ،مصر،۱۳۰۲ھ) ص ۱/۳۸۰و۳۸۱، پر یہ الفاظ تحریر کیے ہیں،

امر النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم بالتاریخ فکتب من حین الھجرة، فی ربیع الاوّل،

۱۵۔ شیخ عبدالحی الکتانی/ نظام الحکومة النبویہ المسمی التراتب الاداریہ/ دارالکتب العربی، بیروت/ص ۱۸۰،

۱۶۔ قلقشندی/ الصبح الاعشیٰ/ بیروت/ ج ۶/ص ۲۴۰،

۱۷۔ معضل وہ روایت جس میں مسلسل دو یا زیادہ راوی موجود نہ ہوں۔

۱۸۔ ابن الحجر/ فتح الباری/ ج ۷/ص ۳۴۱،

۱۹۔ سبل الھدیٰ و الرشاد/ ج ۱۲/ص ۳۶،

☆ استیعاب کے الفاظ بھی اس بارے میں واضح ہیں، **ومن مقدمه الی المدینة، ارخ التاریخ فی زمان عمر رضی اللّٰہ عنه، تاریخ الخمیس ۱ /۳۸۰،**

۲۰۔ سبل الھدیٰ والرشاد/ ایضاً،

☆ طبری/ ج ۲/ص ۳۸۸،

۲۱۔ التراتب اداریہ/ص ۱۸۱، اس بارے میں موصوف نے اپنی کتاب ''التاریخ فی علم التاریخ''میں مفصل بحث کی ہے، دیکھئے التراتب بحولہ بالا،

☆ سبل الھدیٰ والرشاد/ ج ۱۲/ص ۳۶،

۲۲۔ ابن حجر/ فتح الباری/ص ۳۴۲،

☆ ابوالفدا اسماعیل بن کثیر، م ۷۷۴ھ/ البدایة والنہایة/ دارالکتب العلمیة، بیروت، ۲۰۰۱ء/ ج ۳/ ص ۲۱۷، یہ روایت تلاش بسیار کے باوجود راقم کو مسند احمد میں نہیں مل سکی، مگر حاکم نے مستدرک میں ان الفاظ میں نقل کی ہے۔

اول من ارخ الکتب یعلیٰ بن امیه وھو بالیمن، فان النبی صلی اللّٰه علیه وسلم قدم المدینة فی شھر ربیع الاول وان الناس ارخو الاوّل السنة وانما ارخ الناس لمقدم النبی صلی اللّٰه علیه

وسلم،

(ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم/المستدرک/دارالکتب،العلمیہ، بیروت،۱۹۹۰ء/ ج۳/ص۹،۶۷، رقم ۵۷۹۰/۱۳۸۸)

۲۳۔ ڈاکٹر حمید اللہ/الوثائق السیاسیہ/دارالنفائس، بیروت،۱۹۸۵ء/ص۵۲۱، رقم الوثیقہ ۳۶۸،

۲۴۔ ابن حجر/ص۳۴۲،

☆ سبل الھدیٰ والرشاد/ص۳۸،

☆ الاعلان/ص۱۷۱،

۲۵۔ الاعلان/ ایضاً، ابوالیقصان نے بھی حضرت عمرؓ سے اسی طرح نقل کیا ہے، دیکھئے الاعلان، محولہ بالا۔

☆ سبل الھدیٰ والرشاد/محولہ بالا،

۲۶۔ ابن حجر/ص۳۴۲،

☆ سبل الھدیٰ والرشاد/محولہ بالا،

۲۷۔ ابن کثیر/البدایہ/ ج۳/ص۲۱۷،

۲۸۔ الاعلان/ص۱۷۱،

۲۹۔ اگر حدیث صحیح اور حسن کا راوی اپنے سے زیادہ قوی راوی کے برخلاف کوئی روایت نقل کرے تو راجح روایت یعنی قوی راوی کی روایت کو محفوظ اور اس سے کم درجے کے راوی کی روایت کو شاذ کہتے ہیں۔

۳۰۔ ابن حجر/ فتح الباری/ص۳۴۱،

☆ طبری/ ج۲/ص۳۸۸،

☆ سخاوی/الاعلان/ص۱۶۸،

۳۱۔ ان خطوط کے لئے ملاحظہ کیجئے، ڈاکٹر حمید اللہ/الوثائق السیاسیہ/ص۱۶۵تا۱۸۰،

۳۲۔ ان خطوط مبارکہ کے عکس کے لئے ملاحظہ کیجئے، سید فضل الرحمٰن/ خطوط ہادیٔ اعظم ﷺ/ زوار اکیڈمی پبلی کیشنز، کراچی،۱۹۹۶ء

۳۳۔ ابن کثیر/ البدایہ والنہایہ/ ج۳/ص۲۱۶،

۳۴۔ شبلی نعمانی / الفاروق / مکتبہ صدیقیہ، ملتان، ۱۹۵۶ء / ص ۴۶۰،

۳۵۔ زرقانی / ج ا / ص ۳۵۲،

۳۶۔ ابن کثیر / ج ۳ / ص ۲۱۶، ۲۱۷،

☆ شامی / سبل الھدیٰ والرشاد / ج ۱۲ / ص ۳۷،

۳۷۔ شامی، ایضاً، ص ۳۸،

۳۸۔ ابن کثیر / البدایۃ والنہایہ / ج ۸ / ص ۱۸،

۳۹۔ احمد بن ابی یعقوب / تاریخ یعقوبی / دار صادر، بیروت / ج ۲ / ص ۱۴۵،

۴۰۔ محمد بن سعد / الطبقات الکبریٰ / دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۹۷ء / ج ۳ / ص ۲۱۳،

۴۱۔ البدایہ والنہایہ / ص ۲۱۷،

☆ حیات فاروق اعظم / جمال الدین ابوالفرج بن جوزی / اردو ترجمہ، شاہ حسن عطا / ۱۹۷۹ء / ص ۱۰۴،

☆ سخاوی / الاعلان / ص ۱۷۳،

۴۲۔ القرآن، سورۂ مائدہ، آیت ۳، اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ؕ کی طرف اشارہ ہے۔

۴۳۔ مصباح الدین شکیل / سیرت احمد مجتبیٰ / پاکستان اسٹیٹ آئل کراچی، ج ۲ / ص ۵۷،

۴۴۔ خوزستان عراق و فارس کے درمیان واقع ہے،

۴۵۔ سخاوی / الاعلان / ص ۱۷۳،

☆ شامی / ص ۴۱،

☆ ابن منظور نے بھی اس کی جانب اشارہ کیا ہے، وہ کہتا ہے۔

وقیل ان التاریخ الذی یؤرخه الناس لیس بعربی محض، وان المسلمین اخذوه عن اهل الکتاب،

کہا گیا ہے کہ وہ تاریخ جس سے لوگ ماہ و سال کا حساب رکھتے ہیں، خالص عربی نہیں، مسلمانوں نے اسے اہل کتاب سے لیا ہے، ابن المنظور / لسان العرب / نشر ادب الحوزہ، قم، ایران، ۱۴۰۵ھ / ج ۳ / ص ۴،

۴۶۔ شیخ مجد الدین محمد بن یعقوب الفیروز آبادی/ القاموس المحیط/ مطبعہ حسینیہ، مصر، ۱۳۴۴ھ/ ج ۱/ص ۲۵۶،

☆ ابن المنظور/ لسان العرب/ ص ۴،

☆ شامی/ ص ۴۱،

۴۷۔ ابن منظور/ ایضاً،

۴۸۔ شامی/ محولہ بالا،

۴۹۔ ابن حجر، فتح الباری/ ج ۷/ص ۳۴۲، ☆ الاعلان/ ص ۱۶۹،

۵۰۔ الحاکم/ المستدرک/ ج ۳/ ص ۱۵، رقم ۴۲۸۷/ ۳۱،

۵۱۔ ایضاً، ذہبی نے اس روایت کی موافقت کی ہے اور اسے ''صحیح'' کہا ہے۔

۵۲۔ شبلی نعمانی/ الفاروق/ ص ۴۶۰،

۵۳۔ مقریزی/ امتاع الاسماع/ ج ۲/ ص ۵۶/ طبع ثانی، مصر،

۵۴۔ دیکھئے حوالہ نمبر ۳۹،

۵۵۔ زرقانی/ ج ۱/ ص ۳۵۲،

☆ ابن حجر/ فتح الباری/ ج ۷/ ص ۳۴۲،

۵۶۔ یہ قول اردو دائرہ معارف اسلامیہ، دانش گاہ پنجاب، کے مقالہ نگار نے تحریر کیا ہے، مگر اس کی تائید کسی دوسری کتاب اور مورخ کے قول سے نہیں ہوتی، دیکھئے اردو دائرہ معارف اسلامیہ/ ج ۶/ ص ۳۹،

۵۷۔ شبلی نعمانی/ الفاروق/ ص ۴۶۰،

۵۸۔ ابن ہشام/ السیرۃ النبویہ/ دار المعرفہ، بیروت، ۱۹۷۸ء/ ج ۲/ ص ۱۸۷،

۵۹۔ شامی/ ص ۳۸،

☆ زرقانی/ ص ۳۵۲،

۶۰۔ شامی/ ص ۳۷،

۶۱۔ ابن حجر/ فتح الباری/ ج ۷/ ص ۳۴۲،

☆ الاعلان/ ص ۱۷۲،

osIAlser

۶۲۔ قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری/ رحمۃ للعالمین/ شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۷۳ء/ ج ۲/ص ۳۵۱،
۶۳۔ ابن کثیر/ البدایۃ والنہایہ/ ج ۳/ص ۲۱۷،
۶۴۔ ابوالفضل، شہاب الدین سید محمود آلوسی، بغدادی/ روح المعانی / دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۹۸۵ء/ ج ۳۰/ص ۱۱۹،
۶۵۔ قاضی ثناء اللہ عثمانی، پانی پتی م ۱۳۲۵ھ/ تفسیر مظہری/ ادارہ اشاعت العلوم، ندوۃ المصنفین، دہلی/ ج ۱۰/ص ۲۵۳،
۶۶۔ القرآن/ سورۂ توبہ/ آیت ۱۰۸،
۶۷۔ عبدالرحمٰن بن عبداللہ السہیلی / الروض الانف/ دارالمعرفہ، بیروت، ۱۹۷۸ء/ ج ۲/ص ۲۳۶،
۶۸۔ ابن حجر/ فتح الباری/ ج ۷/ص ۳۴۱،
۶۹۔ زرقانی / ج ۱/ص ۳۵۲،
۷۰۔ سید فضل الرحمٰن/ ہادئ اعظم ﷺ/ زوار اکیڈمی پبلی کیشنز، کراچی، ۲۰۰۰ء/ ج ۱/ص ۳۲۲، ۳۲۳،
۷۱۔ الاعلان/ص ۱۷۳،
۷۲۔ پروفیسر ظفر احمد/ السیرۃ النبویہ، توقیتی تضادات کا جائزہ/ مشمولہ ششماہی السیرہ عالمی/ مدیر سید فضل الرحمٰن/ زوار اکیڈمی پبلی کیشنز کراچی/ شمارہ ۱، جون ۱۹۹۹ء/ص ۱۶۹،
۷۳۔ سلیمان منصور پوری/ رحمۃ للعالمین/ ج ۲/ص ۳۵۱،
۷۴۔ ابوالکلام آزاد/ رسولِ رحمت/ص ۲۰۷،
۷۵۔ رحمۃ للعالمین/ص ۳۵۱،
۷۶۔ اس کی کچھ تفصیل ماقبل میں بھی ''عربوں میں تقویم کا رواج'' کے تحت بیان ہو چکی ہے، ملاحظہ کیجئے حوالہ نمبر ۴، ۱۳،
۷۷۔ پروفیسر ظفر احمد/ السیرہ شمارہ ۱/ص ۱۶۹،
۷۸۔ محولہ بالا،
۷۹۔ ایضاً ص ۱۷۵،
۸۰۔ الکتانی/ التراتب الاداریہ/ص ۱۸۱،
۸۱۔ ملاحظہ کیجئے:

Journal of islamic studies karachi university. Editor -in- chief prof. Dr. Abdul Rashid. by prof. Dr. M. Tahir Mallick. The Hijra calendar a symbol of Islamic culture. P.12.

۸۲۔ ملاحظہ کیجئے زیرعنوان ''روایات پر ایک نظر'' حوالہ نمبر۳۱، ۳۲،

۸۳۔ دیکھئے ڈاکٹر حمید اللہ/ الوثائق السیاسیہ/ص۱۲۵تا۱۸۰،

۸۴۔ ملاحظہ کیجئے حوالہ نمبر۳۲،

۸۵۔ الکتانی/ص۱۸۱،

۸۶۔ ملاحظہ کیجئے حوالہ نمبر۸۰،

۸۷۔ الاعلان/ص۱۷۳،

۸۸۔ ابن حجر/ فتح الباری/ص۳۴۱، ۳۴۲،

☆ شامی/ص۳۷، ۳۸،

۸۹۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ/ ج۲۳/ص۱۲۴،

۹۰۔ رحمۃ للعالمین/ ج۲/ص۳۵۱،

☆ اردو دائرہ معارف اسلامیہ بحوالہ بالا،

قلوب واذہان کی تطہیر اور افکار کی تعمیر کے لئے پڑھئے

ماہنامہ تعمیر افکار کراچی

زیرادارت

ڈاکٹر حافظ حقانی میاں قادری

رابطہ

ایف ۱/۳۳، بلاک ایف، نارتھ ناظم آباد کراچی، پوسٹ کوڈ ۷۴۷۰۰